Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ ورنہ موٹر گاڑیاں اَور اِنڈسٹریاں بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ سپیڈ ہو تو سب دوسرے کام بھی چلنے لگتے ہیں۔ کماد پکتے ہی اُتر جائے گا اور زمین فارغ ہو جائے گی جس سے ہم دُوہری فصل لے سکتے ہیں۔ پروڈکشن بڑھی کہ نہیں؟"

سرفراز چند لحظے تک سوچتا رہا۔ پھر اچانک اُس کی آنکھوں میں چمک کی تیزی پیدا ہوئی، جیسے کوئی بات یاد آ گئی ہو۔

"ایک بات بتاؤ، لالہ۔"

"کیا۔"

"تمہاری موٹر چلے کی کیسے؟"

"بجلی سے۔"

"بجلی بازار سے خرید کر لاؤ گے؟"

اعجاز چونکا، جیسے اُس سے کوئی بھول ہو گئی ہو، پھر ہنس کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُٹھتے اُٹھتے اُس نے ٹانگ کے درد سے ہونٹ بھینچ لیے۔ چند سیکنڈ تک وہ چہرے پہ ہلکے سے تشنج کے آثار لیے دُوسری ٹانگ کے وزن پہ کھڑا رہا۔ اُس کی لنگڑاہٹ قریب قریب ختم ہو چکی تھی، مگر درد کی جڑیں ابھی تک اُس کی ہڈیوں میں پیوست تھیں۔ اُس نے ران پہ دو ایک تھپڑ لگا کر درد کو ٹھہرایا۔

"بجلی بھی آ جائے گی،" وہ شیشم کی شاخ کو کھیت میں پھینک کر بولا۔ "نور پور تک تو آ گئی ہے۔"

"اسی طرح جیسے ہماری سڑک بن جائے گی؟" سرفراز نے کہا۔

"سب کام اپنے وقت پر ہو جائیں گے۔ مگر اُس وقت کے لیے پلاننگ تو ضروری ہے ناء۔"

سرفراز کی آنکھ میں شرارت قائم تھی۔ "ٹھیک ہے،" وہ بولا، "مجھے تو فکر لگ گئی تھی۔"

"کس بات کی؟"

"کہ کل ہمیں موٹر چلانی پڑ گئی تو کیا کریں گے۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اَور ایک ساتھ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واپسی پر پکی سڑک کے کِنارے ایک جگہ پہ جہاں اُن کی زمین کا ایک ٹکڑا پڑتا تھا، رُک کر اعجاز نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ "یہ تیرے گھر کے لِئے رکھا ہے۔"

"میرا گھر تو موجود ہے لالہ،" سرفراز نے ہولے سے جواب دیا۔

"اب تُم فارغ ہو کر آ گئے ہو، اللہ کا فضل شامل حال ہے، گھر بسانے کی فکر کرو۔ لڑکی لاکھوں میں ایک ہے، مگر کب تک انتظار کرے گی۔ گیارہ دِن ہو گئے ہیں تجھے آئے ہوئے، اُس سے مِلنے تک نہیں گیا، نہ رابطہ کیا ہے۔"

"مَیں پہلے گھر آنا چاہتا تھا،" سرفراز نے کہا۔

"اچھا کِیا۔ دُرست بھی یہی ہے۔ اپنے گھر سے جاتا ہُوا بندہ اچھا لگتا ہے،" اعجاز بولا۔ "تیرے پیچھے آئی تھی، سب سے مِل مِلا کے گئی۔ رکھ رکھاؤ والی عورت ہے۔"

"ایک آدھ روز میں جاؤں گا،" سرفراز نے مختصراً کہا۔ اُس کی آواز بیٹھتی جا رہی تھی۔

"اب جلد ہی تاریخ طے کر کے رسم پوری کر لینی چاہیے،" اعجاز نے کہا۔ "ڈیرہ آباد ہو، حیثیت میں اضافہ ہو۔ ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو دو کُھل جاتے ہیں۔ فِکر کی کیا بات ہے۔ تیری بی بی بھی بے قرار ہے۔ آج صلاح کر کے تاریخ مقرر کر آتے ہیں۔ کیوں، کیا خیال ہے؟"

"جلدی کی کیا ضرورت ہے،" سرفراز نے کہا۔ "میرا ابھی کُچھ پتا نہیں، شائید شہر میں ہی جا رہُوں۔ کُچھ پُرانے دُوست انڈسٹری وغیرہ میں ہیں، کوشش کرنے سے معقول ملازمت مِل جانے کی اُمید ہے۔ باقی رہی زمینداری، وہ تُم نے ہی بنائی ہے لالہ، تُم ہی اس کے لِئے کافی ہو۔"

"کافی تو سارے کام کے لِئے تیری بی بی ہی ہے۔ تُو نے دیکھ ہی لیا ہے کیسے اُس نے اندر باہر کا بندوبست سنبھال لیا ہے۔ مَیں بَیٹھا بَیٹھا تنگ آ گیا ہُوں، ٹانگ کا درد جائے تو اُٹھ کر اُس کا ہاتھ بٹاؤں۔۔۔۔"

سرفراز ہولے سے مُسکرایا۔ اُسے پتا تھا کہ اُس کا بھائی سکینہ کے انتظامات سے مطمئن تھا، اُٹھے گا تو اُس کا ہاتھ بٹانے کی بجائے کوئی نیا کام ہی شروع کر دے گا۔

"سچی بات ہے،" اعجاز نے بات جاری رکھی، "مجھے گمان نہ تھا کہ سکینہ میں اِتنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جان ہے۔ تُو نے دیکھا ہی ہے، لڑکے ماشاء اللہ کِسی سے خم نہیں کھاتے، مگر اپنی ماں کے آگے دم نہیں مارتے۔ اِسی لِئے مَیں کہتا ہُوں ایک اچھی عورت زندگی کو دُوبالا کر دیتی ہے۔ اِس معاملے میں تُم بھی خوش قسمت ہو کہ ایک باشعور عورت۔۔۔۔"

سرفراز کی سماعت رُک گئی تھی۔ جب سے سرفراز نے گھر میں قدم رکھا تھا وہ نسیمہ کے خیال سے جی چُراتا رہا تھا، جیسے اُس کے رُخ پر پردہ ڈال چُکا ہو۔ صرف ایک نسرین کی شباہت تھی جو اپنے آلائش زدہ وجُود کے ساتھ سرفراز کے تصوّر میں برقرار تھی، جِس نے نسیمہ کی تمامتر وزن دار ہیئت کو بے اصل بنا دیا تھا۔ نسرین کی اصلیت اُس کے جُثّے میں نہیں، اُس کے وجود میں تھی۔ جب وہ نظر سے اُوجھل ہوتی تو پیچھے اپنی شکل کا خلاء چھوڑ جاتی تھی۔

وہ دُونوں وہیں پہ کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ عباس بائیسکل پہ سائیں جلّے کو اپنے پیچھے بٹھائے، آ پہنچا۔ سائیں جلّا سلام دُعا کئے بغیر کھیت کے کِنارے کھڑا ہو کر لاتعلّقی سے فصل کو دیکھنے لگا۔ عباس نے آتے ہی سرفراز کو، جِس کے ساتھ وہ پہلے بات کر چکا تھا، آنکھ مار کر اشارہ کیا۔

"لالہ،" سرفراز نے کچھ دیر کے بعد بات چھیڑی، "چاچے کے آگے عباس کی سفارش کرانی ہے۔"

"کِس بات کی؟"

"اِس کے بیاہ کی،" سرفراز نے کہا۔

"یہ بدمعاشیاں نہ کرتا پھرتا تو دس سال پیچھے اس کا بیاہ ہو گیا ہوتا۔"

"ایک غلطی ہو گئی بچارے سے لالہ،" سرفراز نے بولا۔ "اب سِیدھے رستے پر آ گیا ہے۔"

"ایک غلطی!" اعجاز غصّے سے بولا۔ "ایسی ایسی غلطی ایک ہی کافی ہوتی ہے۔"

"سبق بھی تو اسے خُوب مِل چُکا ہے۔ کم عُمری میں آدمی سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔"

"پُورے اٹھارہ سال کا تھا جب اِس نے بدبخت کمہاری کے ساتھ سانجھ کا ڈول ڈالا تھا۔ اٹھارہ سال کی عُمر کم ہوتی ہے؟ مَیں نے اٹھارہ سال میں تعلیم چھوڑ کر نوکری اختیار کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لی تھی۔ تُو اٹھارہ سال کی عمُر میں۔۔۔۔" اعجاز بولتے بولتے یکبارگی ٹھٹک کر رُک گیا۔ پھر ایک لحظہ ٹھہر کر بولا، "تُو فوج میں چلا گیا تھا۔ رَینک حاصل کر لیا ہے، وہ تو تُم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ پنشن لگ گئی ہے، واپسی پر رقم مِل گئی، عزّت بن گئی ہے، اَور آدمی کو کیا چاہیئے۔ اِس نامُراد نے اٹھارہ سال کی عمُر میں کیا تِیر مارا؟ کمہاری کے گھر پڑاؤ ڈال دیا۔ دس سال سے اُوپر ہو گئے ہیں، اِسے نہ اپنی حیاء نہ کسی دُوسرے کی۔"

"لالہ،" عباس بولا، "دو سال ہو گئے ہیَں، مَیں نے اس کا مُنہ نہیں دیکھا۔"

"مُنہ نہیں دیکھا؟" اعجاز بھڑک کر بولا، "وہ جو تیری شکل صُورت والے دو تین کُتورے پھر رہے ہیَں وہ کِدھر سے آئے ہیَں؟ ایک تو ابھی گود میں چڑھا ہے۔ دو سال سے تُو نے شکل نہیں دیکھی تو وہ کہاں سے بر آمد ہوا ہے؟"

سرفراز ہنس پڑا۔

"ٹھٹھے کی بات نہیں سرفراز،" اعجاز بولا۔ "اِس نے ساری برادری کا نام ڈبو کے رکھ دیا ہے۔"

"لالہ،" عباس دوبارہ بول اُٹھا، "ہاتھ لمبے کر کر کے تان لگاتی تھی کہ کوئی مرد ہے تو آئے۔ آخر مرد کی غیرت بھی کوئی چیز ہے۔"

"تیری ماں کی عمُر والی اُس عورت کے لِئے تیری ہی غیرت جاگی تھی؟ گاؤں کے دُوسرے مرد کیا بھیڑ بکریوں سے دِل بہلا رہے تھے؟" اعجاز نے کہا۔ "یہ گدھے ہانکنے والے لوگ ہیَں۔ آدمی ناکارہ ہے، بیوی زور آور ہو گئی ہے۔ مگر تُو تو راٹھوروں کا بیٹا ہے، تیری عقل پر پتھر کہاں سے آ گِرے؟ تیرا باپ کِتنے گھروں میں غرض لے کر گیا ہے، ہر طرف سے اُسے جواب مِل گیا۔ کوئی عِزّت دار تجھے اپنی بیٹی دینے کو تیار نہیں ہے۔"

"نہیں لالہ،" عباس بولا، "کریم راٹھور کے گھر رشتہ ہے۔"

"کریم کی لڑکی تو نِکل گئی تھی،" اعجاز نے اِستفسار کیا۔

"وہ نہیں۔ اُس سے چھوٹی گھر میں ہے۔"

"وہ جو بچہ سی ہے؟"

"لالہ، سولہ سال کی ہے۔" عباس نے زور دے کر کہا۔

اعجاز ایک منٹ تک سوچتا رہا۔ پھر بولا، "دے دے گا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں لالہ۔"

"کیسے پتا ہے؟"

"اُس کے بیٹے پر قتل کا مقدمہ بنا ہوا ہے۔ مَیں اُس کی شہادتیں بٹھا رہا ہوں۔ بری ہو جائے گا۔ میرا اُن کے اُوپر احسان ہے۔"

"پھر چاچے سے کہو جا کر بات کرے۔"

"یہی تو سارا بکھیڑا ہے۔ ابا نہیں مانتا۔"

"کیوں؟"

"ضِد میں آ گیا ہے۔"

"کوئی نہ کوئی قِصّہ تو ہو گا۔"

"دس سال پہلے کریم راٹھور کے ساتھ چھوٹی سی بات پر اُس کا جھگڑا ہو گیا تھا ابھی تک اُسے پکڑ کر بیٹھا ہُوا ہے۔ میرے ساتھ بھی خفا ہوتا ہے، کہتا ہے گواہیاں نہ بٹھاؤ، لڑکے کو پھاہ لگنے دو۔"

"پھر تو معاملہ ٹیڑھا ہے،" اعجاز نے کہا۔ "مَیں کیا کر سکتا ہُوں۔"

"اب معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے لالہ،" عباس سراپا التجا بن کر بولا۔

"نادانوں والی بات کرتے ہو۔ چاچے نے کبھی کِسی کی بات مانی ہے؟"

"ابے کو چھوڑو لالہ، خود کریم راٹھور سے بات کرو۔"

"چاچے کی طرح مجھے بھی بے عزّت کرانے کی صلاح ہے؟"

"لالہ، مَیں بتا رہا ہُوں، اُس کے بیٹے کی زندگی میرے ہاتھ میں ہے، کبھی انکاری نہ ہو گا، ہُوا تو مَیں لفظ دیتا ہُوں، یہ بات پِھر کبھی میری زبان پر نہ آئے گی۔"

اعجاز خاموش ہو کر سوچنے لگا۔

"بی بی بھی اتفاق کرتی ہے،" عباس بولا۔

"مجھ سے اُس نے ذکر نہیں کیا،" اعجاز نے کہا۔

"کہتی تھی پہلے لالے سے بات کرو۔ ذمہ داری نہیں اُٹھاتی، ابے سے ڈرتی ہے۔"

اعجاز نے سرفراز کی جانب دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں اثبات کی جھلک دیکھ کر اعجاز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے عباس سے کہا، "چل گھر جا، مَیں بھی آتا ہُوں۔ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

عباس بائیسکل پر سوار ہو کر چل دیا۔ اعجاز نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کچھ دُور زمین میں گڑا ہوا ایک پُرانا پتھر تھا۔ اعجاز بھاری قدموں سے چلتا ہُوا جا کر اُس پر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے بیٹھتے اعجاز کے چہرے کی رگیں پھر کھینچ گئیں۔ بیٹھ کر اُس نے دونوں ہاتھوں سے ران کو پکڑا اور آہستہ آہستہ اُسے دبانے لگا، پھر دو ایک بار ٹانگ کو سیدھا اکڑایا اور ڈھیلا چھوڑ دیا۔

"اُٹھنے، بیٹھنے میں تکلیف دیتی ہے،" اعجاز نے کہا۔

پتھر اِتنا چوڑا تھا کہ دو آدمی باسانی اُس پہ بیٹھ سکتے تھے۔ چند لمحوں تک دونوں بھائی ساتھ ساتھ خاموش بیٹھے رہے۔ پھر اعجاز تھکے ہوئے لہجے میں بولا،

"باسے کا کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔"

"ہاں لالہ،" سرفراز نے کہا۔ "بچارے کو کافی سزا مِل چکی ہے۔"

"تُو اپنے بیاہ کی بات تو کرتا نہیں،" اعجاز بولا، "اور باسے کی فِکر کر رہا ہے۔"

سرفراز آہستہ سے ہنس کر چُپ ہو رہا۔

"سائیں،" اعجاز نے آواز دی۔ "سرفراز کے کوٹھے کے واسطے یہ ٹکڑا کیسا ہے؟"

"سائیں جلّا جو برابر اُن کی طرف پُشت کئے، ایک ہاتھ کمر پہ رکھے، دُوسرے میں عصاء تھامے، اپنے آگے چارے کے کھیت پر نظریں جمائے خیال میں محو کھڑا تھا، مُڑے بغیر بولا، "یہ ٹکڑا؟"

"نہیں،" اعجاز نے کہا۔ "کیکر والا۔"

سائیں نے دائیں جانب گردن موڑ کر خالی کھیت پر نظر دوڑائی جس کے عین وسط میں کیکر کا درخت کھڑا تھا۔ پھر وہ پلٹ کر اعجاز اور سرفراز کے پاس آ کھڑا ہُوا۔

"اب اِدھر ہی ٹھہرے گا؟" اُس نے پُوچھا۔

"ہاں،" سرفراز کی بجائے اعجاز نے جواب دیا۔

"نمبر ایک ٹکڑا ہے،" سائیں بولا۔ وہ سرفراز سے مخاطب ہُوا۔ "تُو نے اپنی ڈِپٹی پُوری کر لی ہے۔ اب اپنی زمین پر آ کر کھڑا ہو۔ یہ،" وہ اپنا عصاء زمین پہ ٹھونک کر بولا، "تیری ماں ہے۔ تجھے رِزق دے گی۔"

اپنے بھاری ڈنڈے کو دو ایک بار مزید زور زور سے زمین پر مار کر سائیں جلّا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاموشی سے گاؤں کی جانب چل دیا۔

اعجاز آہستہ سے ہنسا۔ "سائیں بوڑھا ہو گیا ہے۔" وہ دھیمی چال سے چلتے ہُوئے سائیں کو دیکھ کر بولا، "دو تین مہینے سے اپنے چکر پر بھی نہیں نِکلا۔ تجھے پتا ہے، آج مَیں نے پہلی بار اِسے سائیکل کے پیچھے بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔ مِیلوں مِیل پیدل چلا کرتا تھا۔"

مگر سائیں کے ڈنڈے کی دھمک گویا زمین پر نہیں بلکہ سرفراز کے دِل پر ضرب لگا گئی تھی۔ وہ زمین پہ نظریں گاڑے بیٹھا رہا۔ اعجاز نے دوبارہ دونوں ہاتھوں سے اپنی ٹانگ کو دبانا شُروع کر دیا تھا۔ موسم بہار کی آمد تھی۔ رُت بدلنے کے نشان ہوا کے نِیم گرم بگولوں کی شکل میں زمین سے اُٹھنا شُروع ہو گئے تھے۔

"لالہ،" کچھ دیر بعد سرفراز بولا۔ "ایک بات پُوچھوں؟"

"پُوچھو۔"

"تُمہارے ساتھ جو واقعہ ہوا تھا، ایک دستاویز کے بارے میں تھا نا،"

اعجاز نے اپنی ٹانگ دبانی بند کر دی۔ "ہاں،" وہ بولا۔

"وہ کیا چیز تھی؟"

"چیز سے کیا مطلب؟" اعجاز ہنس کر بولا۔

"کیسا ڈاکومنٹ تھا؟"

"کِسی کی لکھی ہوئی ایک تحریر تھی۔"

"کِس قِسم کی تحریر تھی؟ قصّہ کیا تھا؟"

"جو بھی تھا، تُمہارے ساتھ اس کا تعلق نہیں تھا۔"

"ساری دُنیا کے ساتھ اِس کا تعلق تھا مگر صِرف میرے ساتھ نہیں تھا؟"

"ساری دُنیا کے ساتھ بھی اس کا تعلق نہیں تھا۔"

"تُم تو اخبار میں چھپوانے کے لِئے داستان لکھ رہے تھے۔"

"وہ اَور بات ہے۔ اوّل تو چھپے گی نہیں، چھپ گئی تو تجھے پتا چل جائے گا۔"

"یعنی اخبار سے پتا چلے تو چل جائے، مگر تُم نہیں بتاؤ گے،" سرفراز کے لہجے میں شکائیت تھی۔

اعجاز خاموش بیٹھا دوبارہ ایک ہاتھ سے اپنی ران کو ہَولے ہَولے دبانے لگا، جیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے خیالی کی حالت میں ہو۔ کچھ دیر تک دونوں بات کئے بغیر ساتھ ساتھ پتھر پر بیٹھے رہے۔ پھر اعجاز سر اُٹھا کر بولا۔ "تجھے گھر لوٹے ہوئے آج کتنے روز ہو گئے ہیں؟"

سرفراز نے ٹھٹک کر اُسے دیکھا، کیونکہ اعجاز کو اچھی طرح علم تھا کہ سرفراز کو گھر واپس آئے ہوئے کتنے دِن ہوئے تھے۔ "گیارہ دِن،" سرفراز نے جواب دیا۔

"اِن گیارہ دِنوں میں مَیں نے نہیں پُوچھا کہ تُو نے فوج سے استعفےٰ کیوں دیا ہے۔"

سرفراز نے بولنے لِئے بے اختیار مُنہ کھولا، مگر فوراً ہی بند کر لیا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ اُس نے گھر واپس آنے پر جھوٹ بولا تھا، کہ اُس نے استعفےٰ نہیں دیا، وہ یہ بات اعجاز کے آگے کھول کر رکھ دینا چاہتا تھا، سارا واقعہ بیان کرنا چاہتا تھا، بتانا چاہتا تھا کہ اُس کے ہاتھ کا زخم کیونکر آیا تھا، اپنا راز کھولنا اَور اعجاز کا راز جاننا چاہتا تھا۔ مگر اعجاز کی بات کے آگے اُس کا منہ نہ کھُل سکا۔

"دیکھ سرفراز،" اعجاز بولا، "تیرا اَور میرا خون کا بندھن ہے، ہم ایک ہی ماں اَور باپ کی نشانیاں ہیں، مگر اپنے اپنے کاموں میں ہم مرضی کے مالک ہیں اَور نتیجوں کے ذمہ دار ہیں۔ ہم ایک کا بوجھ دُوسرے پر نہیں ڈال سکتے۔ ہمارا کام ایک دُوسرے کو سہارا دینے کا ہے، حالات جو بھی پیش آئیں، تیرے پیچھے مَیں اَور میرے پیچھے تو کھڑا ہو گا۔ صِرف یہ اعتماد ہی زندگی گزارنے کے لِئے بہت ہے۔" اعجاز ہنس کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ "چل اب گھر چلیں۔ دِن ڈھلنے میں ایک پہر بھی نہیں رہا۔"

"تُم چلو لالہ،" سرفراز آہستہ سے بولا۔ "مَیں تھوڑی دیر میں آتا ہُوں۔"

"کل کی طرح دیر نہ کرنا،" اعجاز جاتے جاتے بولا، "کھانے پر سب انتظار کرتے ہیں۔"

سرفراز کچھ دیر تک چُپ چاپ پتھر پہ بیٹھا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا، پھر اُٹھ کر ایک طرف کو چل دیا۔ وہ کِس طرف کو اَور کہاں جا رہا تھا، اِس رُخ کا اُس کے ذہن میں کوئی تعین نہ تھا۔ اُس کا جی صرف یہ چاہ رہا تھا کہ وہ اِس زمین پر چلتا جائے، یہاں تک کہ اُس کی نظر کا رستہ رُک جائے اَور صرف پاؤں کا سفر جاری رہے تاکہ وہ زمین کے لمس کو اپنے تلوں میں محسوس کر سکے۔ وہ مُنہ اُٹھا کر چلتا گیا۔ سُورج آسمان کے دامن کی جانب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لٹکا ہُوا تھا اَور نارنجی دُھوپ میں سرفراز کی نظریں آس پاس کے منظر کے اُوپر اُوپر پھسل رہی تھی۔ دِن ختم ہو رہا تھا مگر ملکوں کے بھٹے کے آگے پتھیرے اپنی دِہاڑی پوری کرنے کو بدستُور کام میں جُتے تھے۔ ملک حمید کے قتل اَور ملک لطیف کی گرفتاری کے بعد چند ہفتے تک بھٹہ سرد رہا تھا۔ پھر ایک ہفتے تک متواتر وہاں پہ ختم قرآن کرائے جاتے اَور چاولوں کی دیگیں غُربَاء میں تقسیم کی جاتی رہیں، بلال پور شریف سے ملکوں کے مُرشد پیر حمید الدین، بلال شاہ تشریف لائے، جِن کی سرکردگی میں اعوان برادری اَور بھٹہ مزدوروں کے لشکر نے آدھے دِن تک رو رو کر دُعا مانگی، اور آخر جب پیر صاحب نے بھٹے کو قتل کے بُرے اثرات سے پاک قرار دے دیا تو اگلے ہی روز دُوسرے بھائیوں کی نِگرانی میں بھٹے کا کام زور شور سے شروع ہوگیا۔ اب نقصان پُورا کرنے کو بارہ کی بجائے سولہ گھنٹے روزانہ کی شِفٹ، اَور اینٹوں کی تعداد فی ٹبّر اُونچی مقرر کر دی گئی تھی۔ سات روز تک تسلی سے بیٹھ کر مُفت کے چاول کھانے سے اُن کے چہروں پہ جو تازگی کی جھلک آ گئی تھی، اُسی سُرعت سے غائیب ہو چکی تھی اور اُن کے بدنوں پہ قدیم عُسرت کے نشان دوبارہ ایک لیبل کی مانِند چسپاں ہو گئے تھے۔ اب یہ سیاہ جِسموں والے خاندان غُربت کی بے خبری میں سر جُھکائے مشقّت میں لگے تھے۔ پتھیرے لوہے کے دابڑوں میں گِیلی مٹی لا لا کر ڈھیر کرتے، جِسے اُن کی عورتیں اَور بچے مُٹھیوں میں بھر بھر کر سانچوں میں بھرتے جا رہے تھے۔ بیچ بیچ میں سانس لینے کو رُک کر وہ ہنس ہنس کر باتیں کرتے اَور میلے چیتھڑوں سے اُبھری ہوئی نسوں والے ننگے بدنوں کا پسینہ پونچھتے جا رہے تھے۔ سرفراز اُنہیں دیکھتا ہوا گزر گیا۔ آگے ایک کھیت کے اندر کسان اَور مزدُور جھونا تیار کر رہے تھے۔ بڑے بڑے کڑاہ آگ پہ چڑھے تھے اَور اُن کے اُبلتے ہُوئے پانی میں نئی فصل کے چاول دو چار پَل کو ڈال کر زمین پہ بچھی ہُوئی موٹی چادروں پر پھیلائے جا رہے تھے۔ کھیت کی زمین ایسی چادروں سے ڈھکی پڑی تھی جِن پہ نیم زرد رنگ کے ادھ پکے چاول سُورج کی آخری کرنوں میں جھلملا رہے تھے۔ کڑاہوں کے نیچے آگ بجھائی جا رہی تھی۔ دِن کے آخری پُور اُتارے جا چکے تھے۔ مگر ابھی بہُت سا کام باقی پڑا تھا۔ عورتیں اَور مرد زمین پہ جُھکتے، اُٹھتے، کمر سیدھی کرتے، دو قدم آگے جا کر پھر جُھکتے، چاولوں کی چادروں پہ منڈلاتے ہُوئے یُوں اپنی دُھن میں لگے تھے کہ جیسے دِن گزرنے کا اُنہیں کوئی غم نہ ہو۔ سرفراز نے چند لحظے کو رُک کر اُنہیں دیکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اَور اُسے محسُوس ہُوا کہ بھٹی کے پتھروں اَور جھونا بنانے والوں کی اِس دُھن میں ایک ناچ کی سی کیفیت تھی جِس کی مُستقِل رواں دواں تال اُن کی زندگیوں کو جوڑتی تھی اَور جو زمین کی مُسلسل دھڑکن کی ہمنوا تھی۔ تھرک تھرک تھرک تھرک تھرک تھرک۔۔۔۔ جیسے ایک ہموار لہر سطح زمین پہ سفر کر رہی ہو اَور جِس کے اندر ہمیشہ جاری رہنے کی پوشیدہ قوت ہو۔ سرفراز وہاں سے آگے چل پڑا۔ آبادیوں سے دُور نِکل کر ایک مقام پر وہ پگڈنڈی چھوڑ کر چارے کے سبز کھیت میں داخل ہوگیا۔ کھیت کے وسط میں ایک مُستطیل سی جگہ پہ سبز چارہ زمین کے ساتھ ہموار تھا، جیسے وہاں پہ کوئی انسان یا حیوان لیٹا رہا ہو۔ سرفراز جا کر اُس جگہ پہ بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی اُس نے جُوتے اُتار دیئے اَور پیر سبز ریشمیں چارے کے پتوں پہ رگڑنے لگا۔ اُسے یُوں لگا جیسے پہلی بار وہ اپنے تلوے زمین کے ساتھ مَس کر رہا ہو۔ اپنی جلد پہ زمین کے لمس کو سرکتے ہُوئے پا کر سرفراز کی آنکھوں سے آنسُو بہنے لگے۔ اٹھائیس برس، اُس نے سوچا!

اٹھائیس برس تک اُس نے اپنی ماں کو یاد تک نہ کیا تھا، کیونکہ یاد کرنے کو اُس کے پاس کُچھ بھی نہ تھا، نہ کوئی شکل نہ صُورت، نہ بُو باس نہ آواز، اَور آج ایک نیم مجذوب شخص نے چار لفظ بول کر اُس خلاء کا مُنہ کھول دیا تھا جو اُس کے اندر دفن تھا مگر جِس میں اُس کا گزُر نہ ہو سکا تھا۔ مُحبت اَور غم کے ایک ڈھیر کی شکل سرفراز کے دِل کے اندر اُبھر کے آئی، جیسے زیریں تہوں میں رہنے والا کوئی مہیب اَور کہنہ ذی رُوح سمندر کی سطح توڑ کر اپنا سر اٹھاتا ہے، اَور اٹھائیس سالہ عمُر میں پہلی بار بے اِختیار اُس کے مُنہ سے نِکلا، 'ماں'۔ دیر تک وہ وہیں پہ بیٹھا آہستہ آہستہ پاؤں رگڑتا رہا اَور آنسُو بہہ بہہ کر اُس کی ٹھوڑی کو تَر کرتے رہے، حتیٰ کہ چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ پھر وہ اُٹھ کر ایک طرف کو چل پڑا۔ کھیتوں کھیت چلتا ہُوا وہ ایک نامعلوم سمت میں سفر کرتا رہا۔ اُس نے محسُوس نہ کیا کہ وہ اپنے جوتے پیچھے ایک کھیت میں چھوڑ آیا تھا۔ اسی بے خیالی میں چلتے چلتے ایک جگہ پہ اُس نے بازُو سے سِلنگ کی پٹی اُتار کر پھینک دی۔ اُس کے کپڑوں پر جگہ جگہ مٹی کے داغ تھے۔ وہ کھیتوں کی تنگ بنیوں پہ قدم دھرتا چلا جا رہا تھا اَور ایک چہرے کی صُورت تھی جو اُس کے دِل سے نہ اُترتی تھی۔۔۔۔۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیچھے گھر کے اندر اعجاز، سکینہ، حسن، حسین، عباس اور سائیں جلّا انتظار کرکے کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ کھانے کے دوران اور اس کے بعد تک عباس کے بیاہ کی بات جاری رہی۔ آخر سب نے مِل کر اعجاز کو راضی کر لیا کہ وہ کریم راٹھور سے جا کر بات کرے گا۔

"اب سرفراز کی بات بھی چلاؤ،" سکینہ نے کہا۔

"یہاں ہوتا تو سُن کر خوش ہوتا، تُو نے آج اُس کا نام سِیدھا لیا ہے۔"

"اُس سے پوچھو کہ کیا صلاح ہے،" سکینہ اعجاز کی بات نظرانداز کرکے بولی، "اُسے تو اپنی فِکر ہی نہیں۔"

"پُوچھا ہے،" اعجاز نے کہا۔

"کیا کہتا ہے؟"

"ہُوں ہاں کرکے جواب دیتا ہے۔ میرا خیال ہے ابھی چُپ رہتے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد معلوم ہو گا کہ اُس کا پروگرام کیا ہے۔"

"خدا جانے کہاں کہاں پھرتا رہتا ہے،" سکینہ نے کہا۔ "کچھ کھاتا پیتا بھی نہیں۔ ہر وقت خیال دوڑاتا رہتا ہے۔"

"ہاں،" اعجاز نے کہا اور چارپائی پہ لیٹ گیا۔

"ابا،" حسین بولا، "ہم جا کر چاچے کو بلا لائیں؟"

"چل اوئے،" سکینہ جھڑک کر بولی، "چُپ کر کے لیٹ جا۔ آدھی رات ہو رہی ہے۔ چاچا آ جائے گا۔ وہ کوئی بچہ ہے جو گھر کا رستہ بھول جائے گا؟"

"اوئے حسنے،" اعجاز نے آواز دے کر بلایا، "آ میری ٹانگ دبا۔"

"ابا آ آ۔۔۔۔" حسن شکایتی لہجے میں بولا۔ "کل بھی مَیں نے دبائی تھی، پرسوں بھی۔"

"اوئے میری ٹانگ دُکھی ہے،" اعجاز بولا، "حُسینے کے ہاتھوں میں تو پتھر لگے ہیں۔ تیرا ہاتھ نرم ہے۔ آجا۔ تُو تو میرا لاڈلا پُتر ہے ناں۔ آجا آجا۔"

حسن سُست انداز میں اُٹھ کر اعجاز کی چارپائی پہ جا بیٹھا اور آہستہ آہستہ اُس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹانگ دبانے لگا۔

"باسے، اِدھر آ" سکینہ نے بلایا۔

عباس اُٹھ کر چارپائی پہ جا بیٹھا جہاں سکینہ لیٹی تھی۔ دونوں دھیمی آواز میں باتیں کرنے لگے۔ اعجاز آنکھیں کھولے آسمان کو تک رہا تھا۔ اُس کے دِل کو سرفراز کی فِکر لگی تھی۔

جُون ۱۹۸۹ء ---- جُون ۱۹۹۶ء